"میں تو دوپہر کو تھوڑی دیر سو لیتی ہوں۔"

"میں بھی چبینا کرکے پیڑ کے نیچے سو لیتا ہوں۔"

"بڑی لو لگتی ہوگی۔"

"لو کیا لگے گی، اچھی چھانہہ ہے۔"

"میں ڈرتی ہوں کہ کہیں تم بیمار نہ ہو جاؤ۔"

"چل، بیمار وہ پڑتے ہیں جنھیں بیمار پڑنے کی پھرصت (فرصت) ہوتی ہے۔ یہاں تو یہ دھن ہے کہ اب کی گوبر آوے تو رام سیوک کے آدھے روپئے جمع رہیں۔ کچھ وہ بھی لاوے ہی گا۔ بس اس سال اس روپئے سے گلا چھوٹ جائے تو دوسری جندگی (زندگی) ہو۔"

"گوبر کی اب کی بڑی یاد آتی ہے۔ کتنا بھلا بن گیا ہے۔"

"چلتے سمے میرے پاؤں پر گر پڑا۔"

"منگل وہاں سے آیا تو کتنا موٹا تھا۔ یہاں آکر دبلا ہو گیا ہے۔"

"وہاں دودھ، مکھن، کیا نہیں پاتا تھا۔ یہاں روٹی مل جائے تو بہت ہے۔ ٹھیکہ دار سے روپئے ملے اور گائے لایا۔"

گائے تو کبھی کی آگئی ہوتی، مگر تم جب کہنا مانو۔ اپنی کھیتی تو سنبھالے نہ سنبھلتی تھی، پنیا کا بوجھ بھی اپنے سر پر لاد لیا۔"

"کیا کرتا؟ اپنا دھرم بھی تو کچھ ہے۔ ہیرا نے نالایکی (نالائقی) کی تو اس کے بال بچوں کی سنبھال کرنے والا بھی تو کوئی چاہیئے تھا۔ کون تھا میرے سوائے؟ بتا! میں نہ مدد کرتا تو آج ان کی کیا گت ہوتی، سوچ! اتنا سب کرنے پر بھی تو منگرو نے اس پر نالس (نالش) کر ہی دی۔"

"روپئے گاڑ کر رکھے گی تو نالس نہ ہوگی؟"

"کیا بکتی ہے؟ کھیتی سے پیٹ بھر کو ہوتا جائے، یہی بہت ہے۔ گاڑ کر کوئی کیا رکھے گا۔"

"ہیرا تو جیسے سنسار ہی سے چلا گیا۔"

"میرا من بولتا ہے کہ وہ آوے گا کبھی نہ کبھی جرور (ضرور)۔"

"دونوں سو گئے۔ ہوری منہ اندھیرے اٹھا تو دیکھا کہ ہیرا سامنے کھڑا ہے، بال بڑھے ہوئے، کپڑے تار تار، منہ سوکھا ہوا، بدن میں گوشت اور خون کا نام نہیں، جیسے قد بھی چھوٹا ہو گیا ہو۔ دوڑ کر ہوری کے پیروں پر گر پڑا۔ ہوری نے اسے سینے سے لگا کر کہا: "تم تو بالکل گھل گئے ہیرا! کب آئے؟ آج تمھاری بار بار یاد آ رہی تھی۔ بیمار ہو گیا؟"

آج اس کی آنکھوں میں وہ ہیرا نہ تھا جس نے اس کی زندگی تلخ کر دی تھی۔ بلکہ وہ ہیرا تھا جو بے ماں باپ کا چھوٹا سا بچہ تھا۔ درمیانی پچیس تیس برس مٹ گئے تھے۔ ان کا نشان بھی نہ تھا۔

ہیرا نے کچھ جواب نہ دیا۔ کھڑا رو رہا تھا۔

ہوری نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بھرے گلے سے کہا: "کیوں روتے ہو بھیا آدمی سے بھول چوک ہوتی ہی ہے۔ کہاں رہے اتنے دن؟"

ہیرا نے بچارگی سے کہا: "کہاں بتاؤں دادا، بس یہی سمجھ لو کہ تمھارا درسن بدا تھا سو بچ گیا۔ ہتیا سر پر سوار تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ گئو میری سامنے کھڑی ہے۔ ہر دم سوتے جاگتے کبھی آنکھوں کی اوٹ نہ ہوتی تھی۔ مین پاگل ہو گیا اور پانچ سال تک پاگل کھانے (پاگل خانے) میں بند رہا۔ آج وہاں سے نکلے چھ مہینے ہوئے۔ مانگتا کھاتا پھرتا رہا۔ یہاں آنے کی ہمت نہ پڑتی تھی دنیا کو کون منہ دکھاؤں گا؟ آکھر (آخر) جی نہ مانا۔ کلیجہ کڑا کر کے چلا آیا تم نے

میرے بال بچوں کو ......"

ہوری نے بات کاٹی "تم ناحک (ناحق) بھاگے۔ ارے، درو گا (داروغہ) کو دس پانچ روپئے دے کر معاملہ دبوا دیا جاتا، اور ہوتا کیا؟"

"تم سے جیتے جی اُرن نہ ہوں گا دادا۔"

"میں کوئی گیر (غیر) تھوڑے ہی ہوں بھیا۔"

ہوری خوش تھا۔ زندگی کی ساری تکلیفیں اور ساری مایوسیاں گویا اس کے قدموں پر لوٹ رہی تھیں۔ کون کہتا ہے کہ زندگی کی جدوجہد میں وہ ہارا ہے؟ یہ خوشی، یہ غرور، یہ حوصلہ، کیا ہار کی علامت ہے؟ ایسی ہی شکستوں میں اس کی فتح ہے۔ اس کے ٹوٹے ہوئے ہتھیار اس کی فتح کے جھنڈے ہیں۔ اس کا سینہ پھول اٹھا ہے اور چہرے پر چمک آگئی ہے۔ ہیرا کی ممنونیت میں اس کی زندگی کی ساری کامیابی مجسّم ہو گئی ہے۔ اس کے بکھاری میں سو دو سو من غلّہ بھرا ہوتا ہے، اس کی ہانڈی میں ہزار پانسو روپئے گڑے ہوئے، لیکن اس سے یہ جنّت کی خوشی کیا مل سکتی تھی؟

ہیرا نے اسے سر سے پیر تک دیکھ کر کہا "تم بھی تو بہت دُبلے ہو گئے دادا!"

ہوری نے ہنس کر کہا "تو کیا یہ میرے موٹے ہونے کے دن ہیں؟ موٹے وہ ہوتے ہیں جنھیں نہ روپئے کا سوچ ہوتا ہے نہ مرجاد کا۔ اس جگ میں موٹا ہونا بے حیائی ہے۔ سو کو دُبلا کر کے تب ایک موٹا ہوتا ہے۔ ایسے موٹاپے میں کیا سکھ؟ سکھ تو تب ہے کہ سب ہی موٹے ہوں۔ سوبھا سے بھینٹ ہوئی؟"

اس سے تو رات ہی کو بھینٹ ہو گئی تھی۔ تم نے تو اپنے کو بھی پالا اور جو تم سے بیر کرتے تھے ان کو بھی پالا اور اپنی آبرو بنائے بیٹھے ہو۔ اس نے تو

کھیتی باڑی سب بیچ باچ ڈالی اور اب بھگوان ہی جانے اس کا نباہ کیسے ہوگا۔"

آج ہوری کھدائی کرنے چلا تو بدن بھاری تھا۔ رات کی تھکن دور نہ ہوئی تھی۔ مگر اس کے قدم تیز تھے اور چال میں بے پروائی کی اکڑ تھی۔

آج دس ہی بجے سے لُو چلنے لگی اور دوپہر ہوتے ہوتے تو آگ برس رہی تھی۔ ہوری کنکر کے ٹوکرے اٹھا اٹھا کر کان سے سڑک پر لاتا تھا اور گاڑی پر لادتا تھا۔ جب دوپہر کی چھٹی ہوئی تو وہ بے دم ہو گیا تھا ایسی تھکن اسے کبھی نہ ہوئی تھی۔ اس کے پاؤں تک نہ اٹھتے تھے۔ بدن اندر سے جھلسا جا رہا تھا۔ وہ نہایا اور نہ کچھ چبایا۔ اسی تکان میں اپنا انگوچھا بچھا کر ایک پیڑ کے تلے سو رہا۔ مگر پیاس کے مارے گلا سوکھا جاتا ہے خالی پیٹ پانی پینا ٹھیک نہیں۔ اس نے پیاس کو روکنے کی کوشش کی مگر ہر لمحہ اندر کی جلن بڑھتی جاتی تھی۔ اس سے نہ رہا گیا۔ ایک مزدور نے بالٹی بھر کر رکھ لی تھی اور چرن چبا رہا تھا۔ ہوری نے اٹھ کر ایک لوٹا پانی خوب کھینچ کر پیا اور پھر جا کر لیٹ رہا۔ مگر آدھ گھنٹے میں اسے قے ہو گئی اور چہرے پر مُردنی سی چھا گئی۔

"اس مزدور نے کہا۔ کیسا جی ہے ہوری بھیا؟"

ہوری کا سر چکرا رہا تھا۔ بولا، "کچھ نہیں، اچھا ہوں۔"

یہ کہتے کہتے اسے پھریری ہوئی اور ہاتھ پیر ٹھنڈے ہونے لگے۔ وہ گھبرایا نہ جانے کیوں آ رہا ہے؟ آنکھوں کے سامنے جیسے اندھیرا چھایا جاتا ہے اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور زندگی کی ساری باتوں کی یاد مجسم ہو کر دل میں آنے لگی، مگر بے سلسلہ خواب کی تصویروں کی طرح بے ربط اور بگڑی ہوئی۔ وہ خوشگوار بچپن آیا جب وہ گلیاں کھیلتا تھا اور ماں کی گود میں سوتا تھا۔ پھر دیکھا کہ جیسے گوبر آیا ہے اور اس کے پیروں پر گر رہا ہے۔ پھر منظر بدلا، دھنیا

دلھن بنی ہوئی سُرخ چوندری پہنے اسے کھانا کھلا رہی ہے۔ پھر ایک گائے کی تصویر سامنے آئی۔ اُس نے اس کا دودھ دوہا اور منگل کو پلا رہا تھا کہ گائے ایک دیوی بن گئی اور ....."

اسی مزدور نے پھر پکارا "دوپہری ڈھل گئی ہوری، چلو جھوا اٹھاؤ۔"

ہوری کچھ نہ بولا۔ اس کی روح تو نہ جانے کس کس دنیا میں اڑ رہی تھی۔ اس کا بدن جل رہا تھا اور ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ لو لگ گئی تھی۔

اس کے گھر آدمی دوڑا گیا۔ گھنٹہ بھر میں دھنیا دوڑی ہوئی آ پہنچی۔ سوبھا اور ہیرا پیچھے پیچھے کھٹولے کی ڈولی بنا کر لا رہے تھے۔

دھنیا نے ہوری کا بدن چھوا تو اس کا دل دھڑک اٹھا، چہرہ اڑ گیا، کانپتی ہوئی آواز میں بولی، کیسا جی ہے تمہارا؟"

ہوری نے مضطربانہ اور مجنونانہ نگاہوں سے دیکھ کر کہا "تم آ گئے گوبر۔ میں نے منگل کے لئے گائے لے لی ہے۔ وہ کھڑی ہے، دیکھو!"

دھنیا نے موت کی صورت کبھی تھی۔ اُسے پہچانتی تھی۔ اسے بے پانوں آتے بھی دیکھا تھا اور آندھی کی طرح آتے بھی دیکھا تھا۔ اس کے سامنے ساس مری، سسر مرا۔ اس کے دو بچے مرے۔ گاؤں کے پچاسوں آدمی مرے۔ دل میں ایک دھکا سا لگا۔ وہ بنیاد جس پر زندگی قائم تھی، گویا مٹی جا رہی تھی۔ لیکن نہیں، یہ صبر کرنے کا وقت ہے، اس کا اندیشہ بے بنیاد ہے لو لگ گئی ہے، اسی سے بیہوش ہے۔ امنڈتے ہوئے آنسوؤں کو روک کر بولی "میری طرف (طرف) دیکھو، میں ہوں، کیا مجھے نہیں پہچانتے؟"

ہوری کو کچھ ہوش ہوا۔ موت قریب آ گئی تھی۔ آگ جل اٹھنے والی تھی

دھواں دور سا ہو گیا۔ دھنیا کو بیکسانہ انداز سے دیکھا۔ دونوں آنکھوں سے آنسو کے دو قطرے نکل پڑے۔ کمزور آواز میں بولا "میرا کہا سنا مانچھ (معاف) کرنا دھنیا! اب جاتا ہوں۔ گائے کا ارمان من ہی میں رہ گیا۔ اب تو یہاں کے روپئے کریا کرم میں لگ جائیں گے۔ رومت دھنیا! اب کب تک جلائے گی۔ سب طرح کی درگت تو ہو گئی۔ اب مرنے دے!"

اور اس کی آنکھیں پھر بند ہو گئیں۔ اسی وقت ہیرا اور سوبھا ڈولی لے کر پہنچ گئے۔ ہوری کو اٹھا کر ڈولی پر لٹایا اور گاؤں کی طرف چلے

گاؤں میں یہ خبر ہوا کی طرح پھیل گئی۔ سارا گاؤں جمع ہو گیا ہوری چارپائی پر پڑا شاید سب کچھ دیکھتا تھا، سب کچھ سمجھتا تھا۔ مگر زبان بند ہو گئی تھی۔ البتہ اس کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو بتلا رہے تھے کہ موہ (رغبت) کا بندھن توڑنا مشکل ہو رہا ہے۔ جو کچھ اپنے سے نہیں بن پڑا اسی کے دکھ کا نام تو موہ ہے۔ ادا کئے ہوئے فرائض اور پورے کئے ہوئے کاموں کا کیا موہ؟ موہ تو ان بیکسوں کے چھوڑ جانے میں ہے جن کے ساتھ ہم اپنا فرض نہ نبھا سکے، ان ادھورے منصوبوں میں ہے جنھیں ہم پورا نہ کر سکے۔"

مگر سب کچھ سمجھ کر بھی دھنیا امید کے مٹتے ہوئے عکس کو پکڑے ہوئے تھی۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ مگر مشین کی طرح دوڑ دوڑ کر کبھی آم بھون کر پنا (جوشاندہ) بناتی اور کبھی ہوری کے بدن پر گیہوں کے چوکر کی مالش کرتی۔ کیا کرے، پیسے نہیں ہیں ورنہ کسی کو بھیج کر ڈاکٹر بلاتی۔

ہیرا نے روتے ہوئے کہا "بھابی، دل کڑا کرو، گئو دان کرا دو، دادا چلے۔"

دھنیا نے اس کی طرف حقارت سے دیکھا۔ اب وہ دل کو اور کتنا کڑا کرے؟ اپنے شوہر کے ساتھ اس کا جو دھرم ہے کیا یہ اس کو بتانا پڑیگا جو زندگی کا ساتھی تھا اس کے نام کو رونا ہی کیا۔ اس کا دھرم ہے؟"

اور کئی آوازیں آئیں "ہاں گئو دان کرا دو، اب یہی سمے ہے۔"

دھنیا مشین کی طرح اٹھی۔ آج جو سُتلی بیچی ہے اس کے بیس آنے پیسے لائی اور ہوری کے ٹھنڈے ہاتھ میں رکھ کر سامنے کھڑے ہوئے داتادین سے بولی "مہراج! گھر میں نہ گائے ہے، نہ بچھیا، نہ پیسہ۔ یہی پیسے ہیں۔ یہی ان کا گئو دان ہے!"

اور غش کھا کر گر پڑی۔